حضرت سید اشرف کا خاندانی پس منظر اور ان کی شخصیت

از جناب سید محی الدین اظہر صاحب، لکچرار شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی[1] کے شاہی خاندان میں پیدا ہوئے[2]۔ ان کے مورث اعلیٰ سید تاج الدین بہلول[3] کو جو سید محمود نوربخشی[4] کے صاحبزادے تھے۔

---

[1] یہ قدیم شہر آج بھی ایران کے رقبۂ مملکت میں موجود ہے، مگر اب یہ شہر کے درجے سے گھٹ کر ایک قصبے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور مازندران سے کم و بیش سو میل، اصفہان سے دو سو میل اور کاشان سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ طول البلد ۵۳ اور عرض البلد ۳۵ کا درمیانی حصہ اس قدیم تاریخی شہر کی نشاندہی کرتا ہے۔

[2] لطائف اشرفی میں جو حضرت سید اشرف کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہے، ان کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے اور سن وفات اس کتاب کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں نیز صوفیا کے تذکروں میں اختلاف کے ساتھ ۷۹۲، ۷۹۸، ۸۰۸ اور ۸۴۰ ہجری پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید وحید اشرف نے واضح دلایل کی روشنی میں سن پیدائش ۷۰۹ اور ۷۱۲ ہجری کی حدود میں اور سن وفات ۸۲۹ اور ۸۳۲ ہجری کے درمیان متعین کیا ہے۔

جہاں تک تاریخ و ماہِ وفات کا تعلق ہے تو اس بابت لطایف کا بیان یعنی ۲۸ محرم الحرام بعد نماز ظہر درست اور قابل تسلیم ہے —— ملاحظہ ہو مقالہ بعنوان "تاریخ پیدائش و وفات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی" از ڈاکٹر سید وحید اشرف ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (ہند) بابت مارچ ۱۹۷۶ء

۵۳ سید تاج الدین بہلول کا نسب نامہ حسب ذیل اٹھارہ واسطوں سے حضرت فاطمہ زہرا تک پہنچتا ہے —— سید تاج الدین بہلول بن سید محمود نوربخشی بن سید علی اکبر بلبل بن سید مہدی بن سید اکمل الدین مبارز بن سید جمال الدین بن سید عبداللہ بن سید حسین بن سید ابو حمزہ بن سید ابو موسیٰ علی بن سید اسماعیل ثانی سید ابوالحسن بن سید اسماعیل اعرج بن سید امام جعفر صادق بن سید امام محمد باقر بن سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدہ فاطمہ زہرا —— منقول از خاتمۂ مکتوبات اشرفی مصنفہ سید عبدالرزاق نورالعین (سجادہ نشین حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی) مخطوطہ سبحان اللہ، گلشن، مولانا آزاد لائبریری۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۵۴ حضرت سید محمود نوربخشی کا ذکر کرتے ہوئے سید عبدالرزاق نورالعین نے لکھا ہے کہ جب بخارا کے تخت کے لیے اسماعیل سامانی (متوفی ۲۹۵ ہجری) اور اس کے بھائی محمود میں تنازعہ شروع ہوا تو اس نے اپنے وزیر نظام الدین برمکی کے مشورے سے وقت کے مشہور خدا رسیدہ بزرگ سید محمود نوربخشی سے رجوع کرکے ان سے دعا کی درخواست کی جس کے نتیجے میں اس کو جنگ میں محمود پر فتح نصیب ہوئی۔ خاتمۂ مکتوبات اشرفی۔

سامانی خاندان کے دوسرے حکمران امیر احمد بن اسماعیل[1] نے مسند فرمان دہی پر جلوہ افروز ہوتے ہی اپنا قلمدان وزارت سونپ دیا اور اس کے تین سال بعد عراق عجم اور خراسان کے علاقے بھی انھیں جاگیر میں عطا کیے[2] امیر مذکور کے انتقال کرتے ہی سید تاج الدین بہلول نے خود مختاری کا اعلان کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکّہ جاری کر دیا اور عراق عجم اور خراسان کے درمیان واقع ایران کے تاریخی شہر سمنان کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ چونکہ سامانی خاندان اور خاندان نوربخشیہ میں آپس میں عقیدت و محبت اور قرابت داری بھی تھی[3] اس لیے سلطنتِ سامانیہ کے بطن سے وجود میں آئی ہوئی یہ ریاست کبھی خود مختارانہ اور کبھی باجگزارانہ طور پر تقریباً چار سو برس تک قائم رہی[4]

---

[1] عہدِ حکومت ۲۹۵-۳۰۱ ہجری۔ [2] خاتمۂ مکتوبات اشرفی۔

[3] سید عبدالرزاق نورالعین نے ریاست سمنان کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے اس کے وجود میں آنے اور اس کے بقا کے تسلسل کا علم تو ہوتا ہی ہے مگر لطایف اشرفی (مؤلفہ حاجی سید نظام الدین غریب یمنی) کی ایک عبارت سے جو حضرت سید اشرف سے منقول ہے، یہ مزید معلوم ہوتا ہے کہ سادات نوربخشیہ کو یہ ریاست ماں کی طرف سے ترکے میں ملی تھی۔ حسب ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"حضرت ندوۃ الکبریٰ (مراد از حضرت سید اشرف) می فرمودند کہ سلطنت ما از طرف مادر میراث رسیدہ چہ اجداد مادر ما از سلاطین سامانیہ دو لیت سال چیزی کم سلطنت در عراق و خراسان کردند" لطایف ج ۲ ص ۳۲۶۔

اس اقتباس سے اگرچہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جس ماں کی طرف سے ترکے میں ریاست سمنان ملی تھی، وہ حضرت سید اشرف کے اجداد میں سے کس کی ماں اور سامانی خاندان کے کس بادشاہ کی بیٹی یا قرابت دار تھیں، مگر کم از کم یہ ثبوت مل جاتا ہے کہ اس ریاست کی بقا میں قرابت داری کا دخل ضرور تھا۔

[4] خاتمۂ مکتوبات اشرفی۔

ریاست سمنان کے موسس اعلیٰ سید تاج الدین بہلول کی نسل [illegible] ایک شخص سید ابراہیم[1] پیدا ہوئے، جنھوں نے ساتویں صدی ہجری کے آخر [illegible] تخت سمنان پر جلوس کیا اور آٹھویں صدی ہجری کے پہلے نصف تک [illegible] کے دریا بہاتے رہے۔ وہ ایسے خلیق اور نیک طبیعت حکمران تھے کہ کوئی سائل [illegible] سے خالی نہ گیا اور ان کو ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی کہ رعایا کے جسموں ہی نہیں بلکہ دلوں پر بھی حکومت کرتے تھے۔ ان کی علمی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ تعلیم کا چرچا اتنا عام نہ تھا، ان کے عہد حکومت میں سمنان کے [illegible] سے بارہ ہزار طلباء مختلف علوم و فنون میں کامل ہو کر فارغ التحصیل ہوئے۔ سمنان کی مشہور خانقاہ سکاکیہ کی جس کو شیخ علاء الدولہ سمنانی[2] نے سولہ برس تک اپنے [illegible]

---

[1] سید تاج الدین بہلول سے لے کر سلطان سید ابراہیم تک کئی پشتیں گذریں لیکن [illegible] صرف چار حکمرانوں کے نام کا پتہ چلتا ہے جو خاتمۂ مکتوبات اشرفی میں اس طرح درج ہے
"سید ابراہیم بن سید عماد الدین بن سید نظام الدین علی شیر بن سید ظہیر الدین از اولاد تاج الدین بہلول۔"

سلطان سید ابراہیم کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے لطائف [illegible] (مطبوعہ نصرت المطابع دہلی، ۱۲۹۸ ہجری) ج ۲ ص ۹۰-۹۱۔

[2] ابوالمکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی، سمنان کے ایک قریہ "بیابانک" میں ذی الحجہ ۶۵۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سال کی عمر پاکر ۲۲ رجب ۷[illegible] وفات پائی اور سمنان کے قریہ "صوفی آباد" میں [illegible] ان کی [illegible] آٹھویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ میں بڑی امتیازی حیثیت کی حامل ہو — حبیب السیر از خواند میر (طبع تہران [illegible]) ج ۳ ص [illegible]

٭ ٭ ٭

ارشاد اور طالبان معرفت کی تعلیم و تربیت سے آباد رکھا، از سرِ نو تنظیم بھی انہی کے
مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی اور اس کے سارے اخراجات ان کے خزانۂ شاہی سے
ہی پورے کیے جاتے تھے۔ فقراء و مشائخ اور علماء و فضلاء سے ان کی عقیدت مند
کا حال شیخ سمنانی اور ابراہیم مجذوب[1] سے ان کے تعلق کی تفصیلات کو پڑھ کر م
ہے۔ ان کے زمانے میں عوامی فلاح و بہبود، خوشحالی اور عدل و انصاف کا ہر طرف
تھا لیکن حکومت و رعایا کی ذمہ داریاں ان کی دین دارانہ زندگی میں کبھی حارج نہ
ہو سکیں، حتیٰ کہ سلوک میں بھی ان کو وہ بلند مقام حاصل تھا کہ ان کے چشمۂ روحا
سے نہ جانے کتنے تشنگان علم معرفت نے سیرابی حاصل کی[2]
سلطان سید ابراہیم کی زوجۂ محترمہ سیدہ خدیجہ بیگم کو بھی جو خواجہ احمد یسوی[3] کی ا

---

[1] شیخ ابراہیم مجذوب بھی شیخ علاء الدولہ سمنانی کی طرح سلطان سید ابراہیم کے
تھے۔ ان کے متعلق یوں تو بہت سی روایتیں مشہور رہیں لیکن صوفیا کے بیشتر تذکروں میں
روایت تواتر کے ساتھ آئی ہے کہ وہ ہمہ وقت عالم جذب میں رہا کرتے تھے اور چن
تو کچھ بھی نہیں کھاتے پیتے مگر جب کھانے پر آجاتے تو سو سو من غلہ ایک ہی نشست
کھا جاتے تھے۔

ان کی بابت لطائف میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ سلطان سید ابراہیم کے
جب دو تین بیٹیوں کے بعد کوئی اولاد نرینہ نہ پیدا ہوئی تو ابراہیم مجذوب ہی کی دعا سے
سید اشرف اور ان کے چھوٹے بھائی سلطان سید محمد پیدا ہوئے تھے۔ لطائف ج۲ ص۴۲۷

[2] مکتوبات اشرفی، مکتوب دوم۔

[3] خواجہ احمد یسوی، خواجہ یوسف ہمدانی کے چار جلیل القدر خلفاء میں سے ایک
دین کی تبلیغ کے لیے ترکستان گئے اور وہاں ننانوے ہزار مشائخ کی ت (باقی ص۳۰ پر)

سے تھیں، اپنے شوہر ہی کی طرح زہد و عبادت سے بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ وہ اکثر روزے رکھا کرتیں اور ان کے دن کا بڑا حصہ تلاوت قرآن اور نوافل کی ادائیگی میں صرف ہوتا اور راتیں قیام و سجود میں اس طرح گذرتیں کہ نماز تہجد کبھی ترک نہ ہوئی[1] گویا جملہ سامان تعیش کی فراوانی کے باوجود سلطان و ملکہ نے دنیا کی رنگینیوں سے کبھی اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیا اور خوفِ خدا کو اپنے دلوں میں اس طرح راسخ کر لیا کہ ان کی زندگیاں شاہانہ جاہ و جلال اور فقر و استغنا کا حسین ترین امتزاج بن گئیں۔

سلطان و ملکہ کو دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر لوگ پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ دربار شاہی میں سلطان کے سامنے علماء و فضلاء، امراء و رؤسا اور خواص و عوام صف بستہ کھڑے رہتے۔ ملکہ کی خدمت میں شب و روز ہزارہا خادماؤں کا ہجوم رہتا۔ مجھی مذاق کے موافق بنے ہوئے قصر شاہی کی مضبوط اور اونچی فصیلوں کے اندر جھانکنے کا حوصلہ کسی غم و اندوہ میں نہ تھا۔ مگر جب دو تین صاحبزادیوں کے بعد آٹھ برس تک ملکہ کی کوکھ نے کسی بچے کو جنم نہ دیا تو اولاد نرینہ سے محرومی کے غم نے تقاضائے بشریت کے تحت سلطان و ملکہ دونوں کو اندر ہی اندر کھانا شروع کر دیا[2] کبھی کبھی دونوں کے چہروں پر غم کی پرچھائیاں نمایاں ہو جاتیں مگر کسی کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آیا کہ لوگوں کو روح کی گہرائیوں میں پلنے والے جان لیوا غم کا

(حاشیہ نمبر ۳ بقیہ صفحہ ۲۹) پیشوائی کی۔ اسی لیے ان کو "پیشوائے عارفین" اور "مقتدائے کاملین" ترکستان کہا جاتا ہے۔ ان کی وفات ۵۶۲ ہجری میں ترکستان کے مقام "یسہ" میں ہوئی اور وہیں سپرد خاک بھی کیے گئے۔ ملاحظہ ہو لطائف اشرفی (مطبوعہ نصرت المطابع دہلی، ۱۲۹۸ ہجری) ج ۱ ص ۳۸۶۔

[1] لطائف ج ۲ ص ۹۰۔ [2] ایضاً۔

علم ہو سکے۔ البتہ راتوں کو ملکہ اپنے خاندانی بزرگوں کی ارواح کی طرف متوجہ ہوتیں اور ان کے وسیلے سے بارگاہ ایزدی میں اپنے غم کا حال بیان کرتیں۔ اسی طرح نہ جانے کتنی راتیں گذر گئیں کہ ایک شب کو جبکہ بعد نماز عشار روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور اسی حالت میں ان پر غنودگی کا غلبہ ہو گیا تھا، تو خواب میں خواجہ احمد یسوی کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ

"ترا فرزندی نصیب شود کہ آفاق از خورشید ولایت او منور گردد"[۱]

آٹھویں صدی ہجری کے تیسرے دہے کے قریب جب ملکہ سیدہ خدیجہ بیگم کی گود میں حضرت سید اشرف نے آنکھیں کھولیں تو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں شاہانہ طریق زندگی کو برتتے کے ساتھ ساتھ خدارسیدہ والدین نے ہر ہر طرح سے ان کے نرم و نازک دل میں خدا کی کبریائی اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت و عظمت کا نقش جمانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب ان کی عمر چار سال، چار مہینے اور چار دن کی ہوئی تو مولانا شیخ عماد الدین تبریزی کے ذریعہ بسم اللہ کرائی گئی جو ان کے پہلے استاد ہوئے[۲] حضرت سید اشرف کی ذہانت و ذکاوت کا حال یہ تھا کہ سات سال کی ہی عمر میں قرأت سبعہ میں کامل دسترس کے ساتھ قرآن حفظ کر لیا۔ جب چودہ برس کے سن کو پہنچے تو علوم متداولہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ان کا تبحر علمی دیکھ کر بڑے بڑے علما رشک کرنے لگے۔ ماں باپ کی تعلیم و تربیت نے بچپن ہی سے ان کی طبیعت میں

---

[۱] ایضاً ص ۹۳۔ [۲] مکتوبات اشرفی، ورق ۱۴۷۔ نیز ملاحظہ ہو یہ اقتباس:
"چوں وی متولد وسن مبارک بچہار سال و چہار ماہ و چہار روز رسید بخدمت شیخ عماد الدین تبریزی درس آغاز کرد" ــــ صحایف اشرفی (قلمی) مؤلفہ مولانا سید نذر اشرف فاضل، سن تالیف ۱۳۱۱ ہجری، ورق ۱۱۳۔

فقر و درویشی کا میلان پیدا کر دیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحصیل علم کے بعد جب مدرسہ بھی چھوٹ گیا تو ایک طرح سے وہ مسجد ہی میں معتکف ہو رہے۔ صرف ملازم کے سلام و خدمت کو محلسرا میں تشریف لے جاتے اور بقیہ سارا وقت مسجد ہی میں عبادت کرتے ہوئے گذار دیتے۔ لیکن فراغت علمی کے ایک ہی سال بعد جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو اس صدمۂ جانکاہ کو سہارنے کے ساتھ ساتھ پندرہ برس کی عمر میں ان کو حکومت سمنان کی باگ ڈور بھی سنبھالنی پڑی[۵]

حکومت کی مصروفیات کے باوجود جب کسی درویش یا عارف کی خبر حضرت سید اشرف کو ہوتی تو اس کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی بابت دریافت کرتے، مگر یہ سمجھ کر کہ انھیں دنیاوی معاملات اور رعایا کی ذمہ داریاں درپیش ہیں، لوگ ٹال جایا کرتے تھے۔ تلاشِ مرشد میں ترکِ وطن سے پہلے سمنان میں جس صوفی بزرگ نے سلوک میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان کی رہنمائی کی، وہ خانقاہ سکاکیہ کے روح رواں شیخ علاء الدولہ سمنانی تھے۔

حضرت سید اشرف کا دل جو ہر وقت عدل و انصاف اور حکومت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتا تھا، کبھی ایک لمحے کو بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوا اور یہ خوف خدا ہی کا نتیجہ تھا کہ رعایا پروری اور فراستِ عدل میں ایسی شہرت نصیب ہوئی کہ اطراف سمنان کے تمام حکمران ان کا احترام کرنے لگے۔ دین و دنیا کی کش مکش سے دوچار رہتے ہوئے جب کچھ عرصہ گذر گیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک رات تشریف لا کر مدّ و زبان کے بغیر قلب صنوبری میں اللہ کے اسم ذات کا تصور کرنے اور پاس انفاس کا دھیان رکھنے کی ہدایت کی۔ حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے

---

۵ لطائف ج ۲ ص ۹۳۔

ابھی دو ہی سال ہوئے تھے کہ ایک شب کو حضرت اویس قرنی[1] کی روح پاک نے ظاہر ہو کر اذکار اویسیہ کی تعلیم سے مشرف فرمایا۔ حضرت سید اشرف کے دل میں جو عشق خدا کے دام میں بے دام ہی اسیر تھا، ہمہ وقت سلگتی ہوئی چنگاریاں تیز سے تیز تر ہو گئیں اور آخر کار پچیس سال کی عمر میں جبکہ حکومت سمنان کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے دس سال گذر چکے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے ۱۰ رمضان کی ستائیسویں شب کو دوبارہ تشریف لا کر تخت و تاج

---

[1] حضرت اویس قرنی (۶۶۱-۶۰۰ عیسوی) سلسلۂ اویسیہ کے بانی اور صوفیا کے طبقۂ اولیٰ کے بے مثل نمائندے تھے۔ خواجہ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیا (مطبوعہ نولکشور لاہور، ۱۳۰۸ ہجری) کے صفحہ ۱۲-۱۷ پر ان کے حالات تفصیل سے درج کیے ہیں۔ علامہ شیخ احمد شہاب الدین القلیوبی نے کتاب القلیوبی (مطبوعہ مجیدیہ کانپور، ۱۹۲۴ عیسوی) کے صفحہ ۱۴۵-۱۴۶ پر حضرت اویس قرنی کے سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"اسیر بن جابر نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر التابعین" ایک مرد ہے جس کا نام اویس ہے جو تمہارے پاس مجاہدین اسلام کی مدد کے لیے یمن کے امدادی لشکر کے ساتھ آئے گا اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھائے گا تو اللہ اسے ضرور تمام فرمائے گا پس موقع نصیب ہو تو اپنے لیے اس سے دعائے مغفرت کرانا۔ راوی (اسیر بن جابر) نے کہا کہ حضرت اویس قرنی جب فاروق اعظم کے دور خلافت میں تشریف لائے تو انھوں نے ان سے اپنے واسطے دعائے مغفرت کرائی اور انھوں نے آپ (عمر بن خطاب) کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔"

حاصل کلام یہ کہ حضرت اویس قرنی رفعت و منزلت اور تقدیس و برتری کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے اور اسی لیے ان کو .... "خیر التابعین" کہا گیا ہے۔

ٹھکرانے اور شیخ علاء الدین گنج نبات کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سوہنا کیا۔
حضرت خضر علیہ السلام کی بشارت پر صبح ہوتے ہی حضرت سید اشرف نے اپنے چھوٹے بھائی سید محمد کے سر پر سمنان کی بادشاہت کا تاج رکھا اور ان کو دینی و دنیاوی امور سے متعلق بہت سی مفید نصیحتیں کرنے کے بعد رخصت کی اجازت کے لیے والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدہ خدیجہ بیگم نے جو اپنے وقت کی رابعہ بصری تھیں، بخوشی اپنے لخت جگر کو اجازت دے دی[۲] حضرت سید اشرف کی زندگی کا یہ پہلا سفر تھا جس میں نہ کوئی ہمراہ تھا اور نہ کوئی رہنما اور نہ ہی وہ ان راستوں سے واقف تھے جن پر چل کر انھیں اتباع شیخ کی منزل تک پہنچنا تھا۔ لیکن خدا کی راہ میں ترک وطن کر کے نکلے ہوئے اس مسافر بے سر و ساماں کی رہبری کا فریضہ حضرت خضر (علیہ السلام) انجام دے رہے تھے۔ جن کے حکم کی تعمیل میں عزیز و اقارب، بھائی بہن اور بیوہ ماں کی جدائیاں گوارا کی گئی تھیں۔
اس بے سرو سامانی اور تنہائی کے عالم میں جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں، مرغزاروں اور دشوار گذار وادیوں کی طویل مسافت طے کر کے دو سال بعد جب حضرت سید اشرف پنڈوہ شریف[۳] کی سرحد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ علاء الدین گنج نبات[۴] اپنے ہزارہا مریدوں

---

[۱] لطائف ج ۲ ص ۹۲-۹۳۔ [۲] لطائف ج ۲ ص ۹۳۔
[۳] پنڈوہ شریف (مغربی بنگال) ہندوستان کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہر سال رجب کے مہینے میں عرس کے موقع پر ہزاروں انسانوں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہیں شیخ گنج نبات کا مزار بھی ہے جس سے ہندو مسلمان دونوں عقیدت رکھتے ہیں۔
[۴] سلطان العارفین حضرت شیخ علاء الدین پنڈوی کا سلسلۂ نسب حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) تک پہنچتا ہے۔ رشد و ہدایت کے لیے شیخ اخی سراج الدین (مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیا) کے دہلی سے بنگال جو ان کا اصلی وطن تھا، (باقی صفحہ ۴۵ پر)

اور معتقدین کے ساتھ شہر سے ایک کوس باہر آکر ایک سنبھل کے درخت کے نیچے محفہ[۱] لیے ہوئے ان کے استقبال کو کھڑے ہیں۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے لیے ظاہری طور پر اگرچہ اجنبی تھے لیکن جذب دل نے ایسا جوش مارا کہ شیخ ان کی طرف کمال محبت سے چند قدم آگے

(حاشیہ نمبر ۴ بقیہ ص ۳۴) پہنچنے سے قبل ان کے علم و بزرگی کا شہرہ پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ صاحب اخبار الاخیار (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ ہجری)۔ صفحہ ۱۴۳ پر لکھتے ہیں:۔

"گویند کہ چوں شیخ اخی سراج با نعمت و خلافت از پیش نظام الدین رخصت یافت وخواست کہ بجانب وطن اصلی متوجہ شود، بخدمت وی التماس کرد کہ در آنجا شیخ علاؤ الدین مردی دانشمند و عالی جاہ است، مرا با وی چگونہ بسر آید، زمود غم مخور کہ وی خادم تو خواہد شد۔"

ابتدا میں شیخ پنڈوی کا شمار بنگال کے اغنیا میں ہوتا تھا۔ بعد میں انھوں نے فقر و درویشی اختیار کرلی اور مخلوق پر اس کثرت سے خرچ کرتے تھے کہ بادشاہ وقت کہا کرتا تھا کہ میرا سارا خزانہ شیخ کے دو دن کا خرچ ہے۔

خزینۃ الاصفیا از مفتی غلام سرور لاہوری (نولکشور لاہور، ۱۹۱۴ عیسوی) ج ۳ ص ۲۶۹۔

بادشاہ نے بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت کے خوف سے ان کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا تو وہ "سنارگاؤں" چلے گئے اور وہاں انھوں نے اپنا خرچ دوگنا کر دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ میرا خرچ مرشد (اخی سراج) کے خرچ کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ شیخ پنڈوی نے مرشد کی خدمت کرنے میں انتہا کر دی تھی حتیٰ کہ لنگر خانے کی گرم دیگ سر پر رکھتے رکھتے ان کے سر کے بال ختم ہو گئے تھے۔

اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۴۳۔

[۱] یہ ایک سواری ہے جسے بنگالی زبان میں "سکھاسن" کہتے ہیں۔ لطائف ج ۲ ص ۹۶۔

بڑھے اور ادھر حضرت سید اشرف بھی دوڑتے ہوئے آئے اور شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا[1] شیخ گنج نبات نے جو مریدوں کی تربیت کے معاملے میں بہت سختی سے کام لیتے تھے حضرت سید اشرف کے مسلسل اصرار کے باوجود انھیں کسی خاص خدمت پر مامور نہیں کیا اور صرف ذکر و فکر کی تاکید کرتے رہے[2]

شیخ علاء الدین گنج نبات کی خدمت میں رہ کر سلوک کے منازل و مدارج طے کرتے ہوئے جب چھ سال کا عرصہ گذر گیا تو مرشد کے حکم سے نہ چاہتے ہوئے بھی سید اشرف نے جونپور کا سفر کیا[3] اور اس مقام کی جستجو شروع کی، جس کا نقشہ شیخ نے ان کو پنڈوہ سے رخصت کرتے وقت بذریعہ کشف دکھایا تھا اور جو آج کل درگاہ کچھوچھہ شریف کے نام سے موسوم ہے۔

---

[1] لطائف ج ۲ ص ۹۶-۹۸۔ [2] ایضاً۔

[3] پنڈوہ سے جونپور تک کے سفر کے دوران منیر شریف (بہار)، محمد آباد گہنہ، ظفر آباد، جونپور اور کچھوچھہ (یہ چاروں مقامات اتر پردیش میں ہیں) میں حضرت سید اشرف کے علمی امتحانات مناظرہ اور کشف و کرامات سے متعلق بہت سے واقعات پیش آئے جن کو طوالت کے خوف سے یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے۔

[4] لطائف میں مذکور ہے کہ جونپور کے دوسرے سفر میں حضرت سید اشرف کچھوچھہ تشریف لے گئے اور اس وقت جونپور کا بادشاہ ابراہیم شاہ شرقی تھا یعنی ۸۰۳ یا ۸۰۴ ہجری کے بعد کا یہ واقعہ ہے۔ لیکن اس کتاب کا بنظر غایر مطالعہ کرنے سے ان کے کچھوچھہ تشریف لے جانے کے واقعے کے بیان کی ترتیب مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مرشد کے حکم سے پنڈوہ سے وہ اسی مقام مذکور کو اپنا صدر مقام بنانے کے لیے چلے تھے۔ اسی بنا پر یہ قیاس چاہتا ہے کہ وہ جونپور کے دوسرے سفر میں نہیں بلکہ پہلے ہی سفر میں کچھوچھہ آچکے تھے (باقی حاشیہ ۳ پر دیکھیں)

حضرت سید اشرف نے پنڈوہ شریف میں اپنے مرشد سے خلافت و اجازت پانے کے بعد انہی کے حکم سے کچھوچھہ شریف (جو پہلے جونپور میں تھا اور اب ضلع فیض آباد اتر پردیش میں ہے) میں آکر اپنی خانقاہ تعمیر کرائی اور پھر یہاں سے دو مرتبہ ہندوستان اور بیرونِ ہند کا سفر کیا جس کا مقصد اولیاء و مشائخ کے مزارات پر حاضری حرمین شریفین کی زیارت، معاصر علماء و صوفیاء سے ملاقات و استفادہ، اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی رشد و ہدایت تھا۔ جن ہمعصر علماء و مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں سے بعض سے انھوں نے خود استفادہ کیا اور بعض لوگوں نے ان سے بھی سلوک میں رہنمائی حاصل کی۔ وہ جس شان و شوکت سے سفر کرتے تھے وہ بعض لوگوں کو اگرچہ ایک آنکھ نہ بھاتی تھی مگر خلق خدا تھی کہ جہاں وہ پہنچ جاتے وہاں زیارت کو ٹوٹ پڑتی۔ لوگ جوق در جوق قدم بوسی کو آتے اور دولت ایمان سے مالا مال ہو کر لوٹتے اور جب تک وہ اس جگہ سے کوچ نہ کر جاتے، مریدوں اور عقیدتمندوں کا ہجوم لگا رہتا۔

حضرت سید اشرف نے ہندوستان اور بیرون ہند کے دونوں سفر میں جن علاقوں کی سیر و سیاحت کی ان میں عراق، یمن، عرب، فلسطین، روم، شام، فارس، ماوراء النہر، اوچ، یاغستان، اودھ، گجرات، بنگال، بہار اور گلبرگہ کو ان کے علمی مباحث و مناظرے اور تبلیغی سرگرمیوں کے لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے اور بیرون ہند کے پہلے سفر میں جن علماء و مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں امام عبداللہ

(حاشیہ نمبر ۴ بقیہ صفحہ ۳۶) شیخ گنج نبات نے جن الفاظ میں جائے مقررہ کی نشاندہی فرمائی تھی وہ یہ ہیں: "میاں آں تال کہ دائرہ وار برآمدہ است نقطۂ تل دیدہ میشود، منزلِ خاکِ تو آنجا باشد" لطائف، ج ۲ ص ۱۰۶۔

یافعی[1]، شیخ قشم[2]، شیخ خلیل اتا[3] اور خواجہ بہاء الدین نقشبند[4] کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان چار بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء و مشائخ سے حضرت سید اشرف کو ملنے کا شرف حاصل ہوا مگر ان لوگوں کے بارے میں لطائف اشرفی یا مکتوبات

---

[1] امام یافعی کا نام عبداللہ بن اسعد بن علی اور کنیت عفیف الدین تھا، مسلکاً وہ شافعی تھے، عدن میں "بنی یافع" میں پیدا ہوئے اور ۷۶۷ ہجری میں وفات پائی نفحات الانس (مطبوعہ) بکوشش مہدی توحیدی پور، ص ۵۸۵۔ امام یافعی سے حضرت سید اشرف کی ملاقات حج کے موقع پر مکہ شریف میں ہوئی۔ ان کی تصانیف میں تاریخ مرأۃ الجنان، عبرۃ الیقظان فی معرفت حوادث الزمان، روض الریاحین فی حکایات الصالحین اور درر النظیم فی بیان فضائل القرآن العظیم کے نام مشہور ہیں۔ مقدمۂ لطائف اشرفی از نظام یمنی ص ۲۰۔

[2] شیخ قشم، خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں سے تھے اور اس وجہ سے حضرت سید اشرف ان کے قرابت دار تھے۔ ان کا شمار ترکستان کے مشہور مشائخ میں ہوتا ہے، ان کی بلند حالی کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند نے ان کی صحبت میں تین مہینے رہ کر ان سے سلوک میں استفادہ کیا تھا۔ لطائف ج ۱ ص ۳۸۵ - ۳۸۶۔

[3] شیخ خلیل اتا بھی مشائخ ترکستان میں سے ہیں، خواجہ بہاء الدین نقشبند نے خواب میں بشارت و ہدایت پانے کے سبب ان کی خدمت میں بھی حاضری دی اور سلوک میں استفادہ کیا۔ لطائف ج ۱ ص ۳۸۶۔ [4] خواجہ بہاء الدین نقشبند کو جن کا اصل نام محمد بن محمد البخاری ہے، خواجہ بابا سماسی نے اپنی فرزندی میں قبول کر لیا تھا۔ وہ اویسی تھے اور طریقت کی تعلیم اگرچہ میر سید کلال سے پائی مگر خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت نے بھی ان کی تربیت کی تھی۔ ان کی وفات دوشنبہ کی رات کو سیوم ماہ ربیع الاول ۷۹۱ ہجری میں ہوئی۔ لطائف ج ۱ ص ۳۸۵۔

نی یا صوفیہ کے دوسرے تذکروں سے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملتی جس سے یہ بات
ح ہو سکے کہ ملاقات پہلے سفر میں ہوئی تھی یا دوسرے سفر میں۔ حضرت سید اشرف
اگرچہ تقریر کی عادت نہ تھی لیکن مدینہ منورہ، بغداد اور ترکستان میں جب بعض بزرگ
اصرار پر انھیں مجبوراً تقریر کرنی پڑی تو اُن کے زورِ خطابت نے سامعین کو مسحور
یا۔ گویا وہ عربی و فارسی کے علاوہ ترکی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے۔[۵]

حضرت سید اشرف کی شخصیت بادشاہی اور فقیری کا حسین ترین امتزاج تھی اور
وجہ سے وہ فقرا و مشائخ کے لیے بادشاہوں اور امرا سے میل جول رکھنے کو
تے تھے، ان کے خیال میں عوام میں یہ بات غلط مشہور ہوگئی ہے کہ فقرا کو اہلِ دول
سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی درویش کسی بادشاہ سے اس لیے
ملتا کہ وہ زہد و تقویٰ کے معاملے میں اس کو کمتر سمجھتا ہے، تو اس کا یہ خیال جہالت اور
بر پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور برتر سمجھنا ابلیس کی سنت
اور ایسا ہونے سے لوگ نیکی کی طرف مائل ہونے کی بجائے اور بھی بہک جاتے
۔ اگر کوئی درویش کسی بادشاہ یا امیر کو خود سے بہتر تصور کرکے اس سے ملے تو یہ عمل
کو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف لے جاتا ہے، جب نہ ابراروں کی نیکیاں گنہگاروں کے
اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور نہ بدکاروں کے گناہ نیکوں کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے
، تو بادشاہوں اور امرا کے مراتبِ دینی کا تنزل اور عبادت میں ان کی کوتاہی کسی
نی کامل کے مشرب کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔[۶]

حضرت سید اشرف کے اسی مخصوص نظریۂ تصوف کا کرشمہ تھا کہ وہ عام صوفیا و
ائخ کی طرح خانقاہ میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے نہیں رہے بلکہ انھوں نے اسلام اور اس کے

---

۵ لطائف ج ۲ ص ۳۵۳-۳۵۶۔ ۶ ایضاً ص ۱۰۸

عقاید و نظریات کی تبلیغ کی غرض سے پوری زندگی سفر میں گذار دی۔ یوں تو بہت سے امرا و روٴسا ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی معیت اختیار کر کے راہ سلوک میں اعلیٰ مقام تک پہنچے، لیکن بادشاہ جونپور ابراہیم شاہ شرقی[۵۱] اور بادشاہ مالوہ ہوشنگ خاں غوری[۵۲] کے نام لکھے گئے خطوط سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ہمہ گیر شخصیت نے ان دو نامور حکمرانوں کو اس حد تک متاثر کیا تھا کہ وہ نہ صرف سلوک بلکہ انتظام حکومت کے معاملات میں بھی ان سے مشورے کے خواہشمند ہوتے تھے۔

لطائف و مکتوبات کے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید اشرف کے مریدوں اور معتقدین میں ایسے بہت سے امرا، و روٴسا تھے جنھوں نے دولت و امارت کو چھوڑنا چاہا مگر انھوں نے سختی سے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ

"بی علائق روزگار و عوائق کاروبار سلوک پروردگار صوفیا را میسر است"

---

۵۱ سلطان ابراہیم شاہ شرقی (متوفی ۸۴۴ ہجری) نے جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری کا مرید اور خاندان شرقیہ کا اولوالعزم بادشاہ تھا، اپنے دور حکومت میں ملکی انتظام و انصرام اور فتوحات کا سلسلہ اتنا مضبوط اور وسیع کیا کہ دہلی کی مرکزیت بھی متزلزل ہو گئی۔ اس کے زمانے میں شہر جونپور اور دربار شاہی میں ہر وقت علما و مشائخ کا جمگھٹ لگا رہتا تھا۔ ملاحظہ ہو ــــ تاریخ شیراز ہند جونپور از سید اقبال احمد رضوی (مطبوعہ نامی پریس لکھنوٴ ۱۹۶۳ عیسوی) ص ۹۷ - ۱۲۲۔

۵۲ ہوشنگ خاں (متوفی ۸۲۵ ہجری) کا اصلی نام الپ خاں تھا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد "ہوشنگ خاں" کا لقب اختیار کیا۔ اس کا دارالخلافہ "مانڈو" تھا۔

۵۳ ملاحظہ ہو ــــ مانڈو، شادی آباد، مترجم مرزا محمد بشیر (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۴۲ء) ص ۹ ۔ ۵۴ مکتوبات اشرفی، مکتوب نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۸، ۴۶ -

مردانہ باید کہ بجمعیت اسباب وتفرقہ داراب درراہ آیند[1]

یک جگہ اور فرماتے ہیں:

" اگر بعین بصیرت ملاحظہ کردہ شود ہمہ امراء روزگار وزراء نامدار و برایا اہل صناعت وحرفت درکار عبادت وسلوک اشتغال دارند[2]"

حضرت سید اشرف نے اپنے دامن تربیت سے وابستہ تمام صاحبان ثروت کی تعلیم و تربیت ان کو دنیاوی معاملات میں مشغول رکھ کر اس طرح کی کہ دولت وامارت قرب حق کی راہ میں حارج نہ ہوسکیں۔ وہ جہاں جہاں جاتے وہاں وہاں علماء و مشائخ کے ساتھ ساتھ صاحب اقتدار لوگوں سے بھی ملتے اور ان کو جادۂ حق پر چلنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کی تلقین کرتے۔ گویا وہ ایک ایسی حرکی اور فعّال شخصیت کے مالک تھے کہ ان کی قوتِ عمل اور جہدِ مسلسل سے جہاں ایک طرف عام انسانوں کے دلوں میں جوشِ ایمانی اور زندگی کی حرارت پیدا ہوئی، وہیں دوسری طرف امراء دربادشاہوں کے دلوں کی دنیا بھی اس انداز سے بدل گئی کہ یہ لوگ اپنا ہر ہر قدم اسلامی ضابطۂ حیات کے مطابق اٹھانے لگے اور اپنی اپنی حدود مملکت میں بندگانِ خدا کی فلاح وبہبود اور اسلامی اصولوں کے نفاذ کی ایسی بھرپور کوشش کی کہ ملک آباد اور رعایا خوش حال ہوگئی۔

Accession Number.
....
Date........................

---

[1] لطائف ج ۲ ص ۱۱۳۔
[2] ایضاً ص ۱۱۴۔